**Mujalla Islami Fikr-o-Tahzeeb (MIFT)**
**Volume 5 Issue 2, Fall 2025**
ISSN(P): 2790 8216 ISSN(E): 2790 8224
Homepage: https://journals.umt.edu.pk/index.php/mift

# مولانا وحید الدین خانؒ کا نظریہ دعوت: تجزیاتی مطالعہ

**Title:** **An analytical study of Dawah ideology of Maulana Wahid- Dud-Din Khan**

**Author (s):** Muhammad Irfan[1]

**Affiliation (s):** National University of Modern Languages (NUML), Lahore campus.

**DOI:** https://doi.org/10.32350/mift.52.02

**History:** Received: September 21, 2025, Revised: October 28, 2025, Accepted: November 27, 2025, Published: December 26, 2025

**Citation:** Irfan, Muhammad and "An analytical study of Dawah ideology of Maulana Wahid- Dud-Din Khan" *Mujalla Islami Fikr-o-Tahzeeb* 5, no.2(2025):14–25. https://doi.org/10.32350/mift.51.02

**Copyright:** © The Authors

**Licensing:** This article is open access and is distributed under the terms of Creative Commons Attribution 4.0 International License

**Conflict of Interest:** Author(s) declared no conflict of interest

A publication of
Department of Islamic Thought and Civilization, School of Social Sciences and Humanities University of Management and Technology, Lahore, Pakistan

# مولانا وحید الدین خانؒ کا نظریہ دعوت: تجزیاتی مطالعہ

# An analytical study of Dawah ideology of Maulana Wahid- Dud-Din Khan

**Muhammad Irfan***

National University of Modern Languages (NUML), Lahore campus.

## Abstract

Dawah has a special room in Maulana Wahid- Dud-Din Khan's intellectual project and contrary to the Islamic tradition; Maulana believed that only Dawat is the solution to all the problems of Muslim Ummah. Maulana opines that instead of directly targeting various problems, Muslims should focus all their attention on Dawah. By this, Allah will clear the way for the solution of all other problems. Maulana says in the later periods of Muslim history, the main reason for the problem faced by Muslim Ummah was that the dawah mind was lost within them. They began to engage in unrelated activities in the name of "religious struggle" and they engaged in conflict and war. Maulana opines modern man has been seriously disappointed by war ideas and violent experiences.

Violent nationalism, the aggressive philosophies of Marxism and Nazism have given him a very bitter reaction. Seeing the lethality of the new weapons, he has become increasingly war-crazed. He is looking for an alternative view that shows the way to the welfare of humanity without war and this view can only be offered by Islam. Modern man is standing at the door of Islam, in such situations, if the process of dawah is done correctly, most of the people will find Islam as the voice of their heart.

**Keywords:** Maulana Wahid- Dud-Din khan, Dawah ideology, Muslim Ummah, Modern man

## موضوع کا تعارف

امت محمدیہ کے اہم خصائص میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے دوسری اقوام کے لیے شاہد بنایا ہے۔ اسے امت وسط اور امت دعوت کا خطاب دیا ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنہون عن المنکر"[1]

تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لیے بھیجا گیا ہے تاکہ تم لوگوں کو بھلائی کا حکم دو اور برائی سے روکو۔

ایک دوسری آیت میں ارشاد باری ہے:

"وَکذلک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شہداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شہیدا"[2]

* Corresponding author: irfannadeem313@yahoo.com

[1] القرآن، ۳: ۱۱۰

[2] القرآن، ۲: ۱۴۳

اور اسی طرح ہم نے تمہیں درمیانی و معیاری امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ رہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم پر گواہ ہوں۔

دعوت ایک ایسا فریضہ ہے جسے حضرت آدمؑ سے لے کر محمد رسول اللہ ﷺ تک تمام انبیاء نے ادا کیا ہے۔ قرآن و احادیث میں اسکی صراحت موجود ہے۔ تمام انبیائے کرام اور اللہ کے محبوب نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ نے اس فریضہ کے ادا کرنے میں بے انتہا تکلیفیں برداشت کی۔ انبیاء کرام علیہم السلام نے انسانوں کو راہ راست کی طرف لانے کے لیے جو طریقہ اپنایا وہ دعوت کا طریقہ تھا۔

دعوت کے سلسلہ میں اللہ تعالی نے مخاطبین سے اچھے طریقے سے بحث و مباحثہ کا حکم دیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

"اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ والموعظۃالحسنۃ وَجَادِلۡهُمۡ بِالَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ ضَلَّ عَنۡ سَبِیۡلِهٖ وَهُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِیۡنَ "[3]

اے نبی! اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو، حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقے پر جو بہترین ہو، تمہارا رب ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور کون راہ راست پر ہے۔

اس آیت میں اللہ رب العزت نے دعوت کے تین آداب بیان فرمائے ہیں۔ حکمت، موعظت حسنہ اور مباحثہ۔ ارشاد باری ہے

:

لَقَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِیۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیۡهِمۡ وَیُعَلِّمُهُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَةَ وَاِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ [4]

بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور وہ ضرور اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

یہ داعی پر منحصر ہے کہ وہ موقع و ماحول کی مناسبت سے حکمت و موعظت حسنہ کے ساتھ اپنی بات مخاطب کے ذہن میں اتارے۔ دعوتی عمل کے لیے سب سے پہلے خود داعی کی اپنی اصلاح اور اپنی علمی، فکری اور عملی تیاری ناگزیر ہے۔ دعوت کا سب سے مؤثر طریقہ یہ ہے کہ داعی مدعو کے سامنے اپنا عملی کردار پیش کرے۔

## مولانا وحیدالدین خان کا نظریہ دعوت:

مولانا وحیدالدین خانؒ کی ساری زندگی دعوتی مشن کے لیے وقف رہی۔ انہوں نے مختلف تحریکوں میں حصہ لینے کے بعد شعوری طور پر دعوتی عمل کا آغاز کیا جو ان کی وفات تک جاری رہا۔ ان کا سارا لٹریچر دعوت اور دعوتی سرگرمیوں کے گرد گھومتا دکھائی دیتا ہے۔ وہ مسلمانوں کو دعوۃ ایمپائر قائم کرنے کی طرف راغب کرنا چاہتے تھے اور وہ سمجھتے تھے مسلمانوں کے تمام مسائل کا حل بھی دعوت الی اللہ میں چھپا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ دعوتی عمل ہی مسلمانوں کے تمام مسائل کا حل ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ دنیا میں رہتے ہوئے ہمیں غیر مسلموں کی طرف سے بے شمار مشکلیں پیش آسکتی ہیں مگر ہمیں ان سب پر الگ الگ طاقت خرچ کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ اللہ نے ہمیں ایک ایسا سرا دے دیا ہے جو تمام چیزوں کا جامع ہے اور وہ دعوت الی اللہ ہے۔

[3] القرآن، ۱۶:۱۲۵

[4] القرآن ۳:۱۶۴

ایک شخص اپنی زندگی میں بے شمار ضرورتوں کا محتاج ہوتا ہے مگر وہ ہر ضرورت پر الگ الگ دھیان نہیں دیتا بلکہ اپنی ساری طاقت اس چیز کو حاصل کرنے میں لگا دیتا ہے جس کو پیسہ کہتے ہیں۔ اگرچہ بظاہر پیسہ اتنا اہم نہیں مگر وہ ہاتھ آ جائے تو بقیہ ضرورتیں خود بخود پوری ہو جاتی ہیں ایسا ہی کچھ معاملہ دعوت الی اللہ کے کام کا ہے۔ [5]

مولانا وحید الدین خانؒ کہتے ہیں کہ غیر مسلموں سے تعامل ہو یا کوئی اور مشکل مسلمانوں کے تمام مسائل جو دنیا کی زندگی میں انہیں پیش آ سکتے ہیں ان سب کا مشترک حل دعوت ہے۔ دعوتی کام کے بعد یہ ہو گا کہ مسلمانوں کے معاندین مسلمانوں کے خلاف اپنے عزائم کی تکمیل کے مواقع نہ پا سکیں گے۔ دعوتی عمل کے نتیجہ میں ان کی راہیں مسدود ہوتی چلی جائیں گی۔ دعوت الی اللہ کا یہی تسخیری پہلو ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں ملتا ہے جو آپ ﷺ نے مکہ کے منکرین کے سامنے پیش کیا تھا:

كلمة واحدة تعطونها تملكون بها العرب وتدين لكم بها العجم [6]

تم مجھے ایک کلمہ دے دو اس سے تم تمام عرب کے مالک ہو جاؤ گے اور عجم تمہارا مطیع وفرمان ہو گا۔

غیر مسلموں سے تعامل کی بنیاد دعوت ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اس بنیادی اصول کا مکمل نمونہ ہے۔ آپ ﷺ نے مختلف پیش آمدہ مسائل کو براہ راست نشانہ بنانے کے بجائے اپنی ساری توجہ دعوت کے کام پر لگا دی۔ اسی سے اللہ تعالیٰ نے دوسرے تمام مسائل کے حل کی راہیں نکال دیں۔

مثلاً سن 6 ہجری صلح حدیبیہ میں آپ ﷺ کو مسائل و مشکلات نے گھیر لیا تھا حتی کہ کفار مکہ آپ کو بیت اللہ کی زیارت کا حق دینے پر بھی وہ راضی نہ تھے۔ اس وقت آپ ﷺ نے یہ کیا کہ منکرین کی شرائط کو مانتے ہوئے ان سے دس سال کا جنگ بندی کا معاہدہ کر لیا۔ یہ منکروں کو ان کی منہ مانگی قیمت دے کر اپنے لیے دعوتی کام کی راہ ہموار کرنا تھا۔

اصل میں یہ مسئلہ جنگ کی سطح کا تھا مگر آپ ﷺ نے اس کا حل دعوت کی سطح پر تلاش کیا چنانچہ اس کے بعد جیسے ہی امن ہوا آپ ﷺ نے ایک طرف مختلف ممالک کے حکمرانوں کے خطوط لکھے اور دوسری طرف عرب قبائل میں دعوت کا کام زور و شور سے جاری رکھا۔

اصول دعوت پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے آپ کو مختصر عرصے میں اہم کامیابیاں ملی۔ صرف دو سال قبل حدیبیہ کے میدان سے آپ ﷺ صرف پندرہ سو مسلمانوں کے ساتھ واپس ہوئے تھے۔ دو سال بعد 8 ھجری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس ہزار مسلمانوں کے ساتھ مکہ کو خون بہائے بغیر فتح کر لیا۔ [7]

یہی طریق کار تھا جس نے ساتویں صدی ہجری میں تاتاریوں کے خلاف مسلمانوں کی مدد کی۔ تاتاری فوجوں کی یلغار اتنی زبردست تھی کہ اس زمانہ میں کہا جانے لگا تھا "اگر تم سے کہا جائے کہ تاتاری ہار گئے تو اس کو مت ماننا۔" مگر وہ فتنہ جس کے حل سے مسلمانوں کی تلواریں عاجز آ گئی تھیں اس کو دعوت نے حل کر دیا۔ مسلمانوں کی دعوتی جدوجہد سے تاتاری بڑی تعداد میں مسلمان ہو گئے۔ وہ لوگ جو مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لئے نکلے تھے وہ خود مسلمانوں میں شامل ہو کر ملت اسلامی کا جزء بن گئے۔ [8]

---

[5] وحید الدین خان، **اسلامی دعوت** (نیو دہلی: مکتبہ الرسالہ، ۲۰۰۴ء)، ۳۶

[6] اسماعیل بن عمر ابن کثیر، ***البدایہ والنہایہ*** (کراچی: مکتبہ البشریٰ، ۲۰۰۹)، ۱۲۳:۳۔

[7] وحید الدین خان، **اسلامی دعوت**، ۳۶

[8] ایضاً، ۳۷

مولانا کہتے تھے کہ آپ اگر گیہوں کے دانہ کے شکل کے پتھر تراشیں اور ان کو زمین میں بوئیں تو ان پتھروں کے ٹکڑوں سے گیہوں کا پودا نہیں اگ سکتا، خواہ آپ نے اس کی تراش میں کتنی ہی کاریگری دکھائی ہو۔ گیہوں کی فصل گیہوں کے دانوں سے اگتی ہے نہ کہ پتھر کے ہم شکل ٹکڑوں سے۔ مولانا وحید الدین خانؒ کا ماننا تھا کہ ہمارا غیر مسلموں سے جو بھی رشتہ ہے وہ دعوت کے راستے سے ہو کر گزرتا ہے۔ ہمیں ہر صورت داعی کا کردار ادا کرنا ہے اور ہمار غیر مسلموں سے تعامل بھی اسی تناظر میں ہونا چاہیئے۔[9]

## دعوت کا طریقہ کار اور تالیف قلب کا اصول:

مولانا وحید الدین خانؒ دعوتی طریقہ کار کے ضمن میں تالیف قلب کو بھی بہت اہمیت دیتے ہیں۔ وہ تالیف قلب کو دعوتی حکمت عملی کا اہم جز سمجھتے ہیں اور ان کا مؤقف ہے کہ موجودہ عصر میں تالیف قلب کے اصول کو اپنا کر غیر مسلموں کو دائرہ اسلام میں لایا جا سکتا ہے۔ خاص طور پر ہندوستان جیسے تکثیری اور خط غربت سے نیچے زندگی گزارنے والے سماج میں اس کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ ان کے نزدیک تالیف قلب کو زکوۃ کی ایک مد قرار دینے کا مطلب ہے کہ اللہ تعالی چاہتے ہیں مدعو گروہ کی آخری حد تک رعایت کی جائے۔ قبول اسلام اور ان کی دلجوئی کے لیے اگر زکوۃ کے مال میں سے انہیں کچھ دینا پڑے تو انہیں دیا جائے۔ مولانا لکھتے ہیں:

> تالیف قلب آداب دعوت کا ایک عام اصول ہے۔ اس کا تعلق ہر اس پہلو سے ہے جو مدعو کے دل میں اسلام کے لئے نرم گوشہ (soft corner) پیدا کرنے والا ہو۔ قرآن وسنت میں اس کی مثالیں کثرت سے موجود ہیں۔[10]

غیر مسلموں سے باہمی تعامل کا بنیادی اصول دعوت ہے۔ اپنے اس مؤقف کے اثبات کے لیے وہ سیرت رسول ﷺ کے مختلف پہلوؤں سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ مثلا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملی تو آپ ﷺ نے بنو ہاشم کے لوگوں کو اپنے گھر پر بلایا تا کہ انہیں توحید کا پیغام دیں۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے پہلے ان کی تواضع کی اور انہیں دودھ پلایا۔ جب وہ اس سے فارغ ہو گئے تو اس کے بعد آپ ﷺ نے انہیں نبوت کا پیغام دیا۔ یہ بھی مدعو کے حق میں تالیف قلب کی ایک صورت تھی۔[11]

اسی طرح غزوہ حنین کے موقع پر آپ ﷺ نے ان کے ساتھ یہ فیاضانہ سلوک کیا کہ ان سب کو بلا شرط آزاد کر دیا اور اس کے ساتھ ان میں سے ہر ایک کو اموال بھی دیے۔ مولانا کہتے ہیں کہ قوموں اور قبیلوں کی طرح تالیف قلب کا اصول انفرادی طور پر بھی اپنایا جا سکتا ہے۔ مثلا سہیل بن عمرو نے فتح مکہ سے پہلے اسلام کے خلاف سخت کارروائی کی تھی مگر فتح مکہ کے بعد جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے ان کے ساتھ نہایت نرمی اور شرافت کا سلوک کیا۔ چنانچہ کلمہ شہادت ادا کر کے وہ اسلام میں داخل ہو گئے۔[12]

ہمارا غیر مسلموں سے تعامل دعوتی فکر کے تحت ہونا چاہیئے اور تالیف قلب دعوت کی حکمتوں میں سے ایک حکمت ہے۔ سچا اور درد مند داعی جب کچھ لوگوں کی خیر خواہی کے جذبہ کے تحت ان کے درمیان دعوت کا عمل جاری کرتا ہے تو اس کے تجربات خود اس کو بتا دیتے ہیں کہ کس موقع پر کس قسم کی تالیف قلب کی ضرورت ہے۔ اس معاملہ میں سب سے بڑا رہنما خود داعی کا اپنا جذبہ اور اپنا تجربہ ہے۔ جو طریقہ بھی مدعو کے دل کو نرم کرنے والا ہو اس کو حسب ضرورت استعمال کیا جا سکتا ہے۔[13]

---

[9] وحید الدین خان، **اسلامی دعوت**، (لاہور: دار التذکیر، ۲۰۰۴)، ۳۶۔

[10] وحید الدین خان، **دعوت حق** (نیو دہلی: مکتبہ الرسالہ، ۲۰۰۱)، ۱۸۲۔

[11] احمد بن حنبل، **مسند احمد بن حنبل** (قاہرہ: دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۳۳ھ)، ۱۵۹:۱۔

[12] ایضا، ۱۸۵

[13] وحید الدین خانؒ، **اسلام ایک عظیم جدوجہد**، (نیو دہلی: مکتبہ الرسالہ، ۲۰۰۸ء)، ۸۶۔

## دعوتی غفلت اور اس کے نتائج:

غیر مسلموں سے دعوتی تعامل کے ضمن میں مولانا یہاں چند مثالیں پیش کرتے ہیں کہ اگر ماضی میں دعوتی عمل کی طرف توجہ دی جاتی تو شاید آج نتائج کچھ اور ہوتے۔ موجودہ زمانہ میں مسلم حکومتوں کے لیے جو مسائل پیدا ہوئے ان میں سب سے بڑا مسئلہ "استعمار" کا سمجھا جاتا ہے۔ اس نے نہ صرف مسلم قوموں کو سیاسی طور پر مغلوب کیا بلکہ بے شمار دوسرے مسائل بھی پیدا کیے۔

انگریزوں کے اندر قبولیت اسلام کا مادہ ہونے کا یہ ثبوت کافی ہے کہ عین اقتدار کے زمانہ میں ان کے افراد مسلمان ہوتے رہے۔ مگر پچھلے کئی سو برس کے اندر کبھی مسلمانوں میں یہ ذہن پیدا نہیں ہوا کہ وہ انگریزوں کو خدا کے دین کی تبلیغ کریں۔ اگر کسی نے اس قسم کی تجویز پیش کی تو اسے انگریزوں کا ایجنٹ کہا گیا۔

اس سے ملتا جلتا ایک دوسرا استدلال مولانا یہ پیش کرتے ہیں کہ اسرائیل کو اگرچہ انگریزوں نے پیدا کیا مگر آج اس کا سب سے بڑا سہارا امریکہ ہے۔ یہ ایک معلوم بات ہے کہ اسرائیل کا اصل سرپرست امریکہ ہے اور امریکہ ہی وہ طاقت ہے جو اسرائیل کو زندہ رکھے ہوئے ہے۔ امریکہ سائنٹفک معاشرہ ہونے کی بنا پر اسلام کی تبلیغ کا سب سے کامیاب میدان بن سکتا تھا مگر مسلمانوں کا تبلیغی کام امریکہ میں نہ ہونے کے برابر ہے۔ ہم اگر امریکہ سے دعوتی تعامل اختیار کر لیتے تو ممکن تھا کہ امریکہ اسرائیل کی سرپرستی سے ہاتھ کھینچ لیتا اور فلسطین کا مسئلہ حل ہو جاتا۔[14]

اپنے اسی مؤقف کے اثبات کے لیے مولانا وحید الدین خانؒ، جمال الدین افغانی کے طرز عمل سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ 1884ء میں جب جمال الدین افغانی اور ان کے شاگرد مفتی محمد عبدہ پیرس میں تھے، جمال الدین افغانی نے اپنے شاگرد سے کہا:

> ان اہل اوربا مستعدون لقبول الاسلام اذا احسنت الدعوۃ الیہ فقد قارنوا بین الدین الاسلامی و بین غیرہ فوجدوا البون شاسعا من حیث یسر العقائد و قرب تناولہا۔ واقرب من اہل اوربا الی قبول الاسلام اہل امریکا لانہ لا یوجد بینہم و بین الامم الاسلامیۃ عداوات موروثۃ ولا اضغان مفونۃ مثلما ہو الحال بین المسلمین والاوربیین[15]
>
> "یورپ کے لوگ اسلام قبول کرنے کے لیے تیار ہیں اگر اس کی دعوت اچھی طرح ان کے سامنے پیش کی جائے کیونکہ انھوں نے اسلام اور دوسرے مذہبوں کا تقابلی مطالعہ کیا تو انھوں نے پایا کہ عقیدہ کی سادگی اور عمل کی آسانی کے اعتبار سے دونوں میں بہت فرق ہے اور مغربی اقوام میں قبول اسلام کے اعتبار سے سب سے زیادہ قریب امریکہ کے لوگ ہیں کیونکہ ان کے اور اسلامی قوموں کے درمیان اس طرح کی قدیم عداوتیں نہیں ہیں جو مسلمان اور یورپی قوموں میں ہیں۔"

مفتی محمد عبدہ نے استاد کی بات سن کر کہا پھر کیوں نہ ہم ایسا کریں کہ سیاسی مقابلہ آرائی کو چھوڑ کر امریکہ میں دعوت و تبلیغ کا کام کریں۔ جمال الدین افغانی کو تبلیغ کا کام ہلکا کام معلوم ہوا انھوں نے کہا انما انت مثبط "تم تو حوصلہ پست کرنے والی باتیں کرتے ہو"۔[16]

---

[14] وحید الدین خانؒ، **تاریخ کا سبق** (نیو دہلی: مکتبہ الرسالہ، ۲۰۱۶ء)، ۵۶۔

[15] محمود ابوریہ، **جمال الدین الافغانی** (قاہرہ: دار الکتب العلمیہ، ۲۰۰۲ء)، ۵۰۔

[16] وحید الدین خان، **اسلامی دعوت**، (لاہور: دار التذکیر، ۲۰۰۴)، ۳۷۔

مولانا کہتے ہیں کہ جمال الدین افغانی انتہائی غیر معمولی صلاحیت کے آدمی تھے وہ اگر اپنی پوری طاقت دعوت و تبلیغ کے کام میں لگا دیتے تو وہ امریکہ میں زبردست دعوتی کام پھیلا سکتے تھے اور اگر انہوں نے دعوتی کام شروع کر دیا ہوتا تو عجب نہیں کہ آج امریکہ ایک مسلم ملک بن چکا ہوتا [17]۔

غیر مسلموں سے دعوتی تعامل نہ ہونے کی وجہ سے ماضی و حال میں ہم نے کیا کیا نقصان اٹھائے اس حوالے سے مولانا کہتے ہیں کہ موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کا ایک بہت بڑا مسئلہ ان کی سائنسی اور صنعتی پسماندگی ہے۔اسی پسماندگی کا یہ نتیجہ ہے کہ بے پناہ قربانیوں کے باوجود انہوں نے مغربی استعمار سے جو سیاسی آزادی حاصل کی تھی وہ صنعتی محکومی کی صورت میں دوبارہ ان کی طرف لوٹ آئی۔ حتیٰ کہ تیل پیدا کرنے والے ممالک اپنے تیل سے جو دولت حاصل کرتے ہیں مختلف بہانوں سے وہ مغربی ملکوں میں واپس چلی جاتی ہے۔
ہمیں بظاہر نظر آتا ہے کہ صنعتی و سائنسی پسماندگی میں دعوتی عمل کا کوئی کردار نہیں مگر مولانا کے نزدیک یہ تنزلی و پسماندگی بھی ہماری دعوتی غفلتوں کا نتیجہ ہے۔ صنعت اور سائنس کو وجود میں لانے والے بالآخر انسان ہوتے ہیں گویا انسان اگر ہاتھ آجائیں تو صنعت اور سائنس خود بخود ہاتھ آجاتی ہے۔[18]
مولانا اس ضمن میں جاپان کی مثال پیش کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اگر ماضی میں جاپان کے ساتھ دعوتی تعامل اختیار کیا جاتا تو کوئی بعید نہیں کہ آج جاپان ایک اسلامی ملک ہوتا۔ مولانا کہتے ہیں کہ انیسویں صدی کے آخر میں جاپان میں اسلام کی اشاعت کے لیے غیر معمولی امکانات پیدا ہو گئے تھے۔ جاپان کا بادشاہ میجی مسیحیت سے متوحش تھا کیونکہ اس کے نزدیک مسحیت مذہبی لباس میں، مغرب کی استعماری طاقتوں کا ہراول دستہ تھا۔ اس نے مسیحیت کو روکنے کے لئے تدبیر سوچی کہ جاپان میں اسلام کو پھیلایا جائے، وہ اسلام کو ایک بے ضرر چیز سمجھتا تھا جبکہ مسیحیت کے داخلہ کا مطلب اس کے نزدیک استعمار کا دروازہ کھولنے کے ہم معنی تھا۔ مولانا لکھتے ہیں:

> شاہ میجی نے 1891ء میں ترکی کے سلطان عبدالحمید ثانی (1842-1918) کے پاس ایک سرکاری وفد بھیجا۔اس وفد کے پاس شاہ جاپان کا ایک خط تھا جس میں درخواست کی گئی تھی کہ سلطان اپنے مبلغین کو جاپان بھیجیں جو جاپانیوں کو مذہب اسلام کی تعلیمات سے واقف کرائیں اور اس طرح جاپان اور عالم اسلام کے درمیان معنوی رشتہ قائم ہو جائے۔ مگر نہ سلطان میں دعوت و تبلیغ کا جذبہ تھا اور نہ ان علماء میں جو اس کے گرد جمع تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ پیشکش شکریہ کے ساتھ واپس کر دی گئی اور اس سمت میں کوئی کام شروع نہ ہو سکا۔ اگر اس موقع سے فائدہ اٹھایا جاتا اور 1891 سے جاپان میں تبلیغ اسلام کا کام شروع ہو جاتا تو پورے اعتماد کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ آج جاپان ایک مسلم ملک ہوتا اور اس کا مسلم ملک ہونا مسلمانوں کی سائنسی اور صنعتی پسماندگی کی مکمل تلافی کر دیتا۔[19]

---

[17] وحیدالدین خانؒ، **فکر اسلامی** (نیو دہلی: مکتبہ الرسالہ، ۱۹۹۷ء)، ۲۴۔

[18] ایضاً، ۳۸

[19] وحیدالدین خان، **اسلامی دعوت**، (لاہور: دار التذکیر، ۲۰۰۴)، ۱۳۸۔

مولانا وحید الدین خانؒ ہندوستانی مسلمانوں کے مسئلے کو بھی اسی نوعیت کا مسئلہ سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ بھی تمام تر دعوت و تبلیغ کے کام سے غفلت کی پیداوار ہے۔ ہندوستان میں اسلام کی طویل تاریخ ہے مگر اس تاریخ میں کبھی تبلیغ کی سنجیدہ کوشش نہیں کی گئی یہاں جو لوگ اسلام کے حلقہ میں داخل ہوئے وہ زیادہ تر خود اپنے جذبات سے داخل ہوئے نہ کہ مسلمانوں کی کسی دعوتی کوشش سے۔

اسی طرح بعض صوفیاء کے ہاتھ پر ماضی میں کثرت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا مگر یہ کہنا مشکل ہے کہ تبدیلی مذہب کے یہ واقعات ارادی طور پر کسی قابل ذکر تبلیغی کوشش کا نتیجہ تھے۔ ماضی میں لوگ معمولی اسباب سے اپنا مذہب بدلنے کے لیے تیار ہو جاتے تھے۔[20]

مولانا کہتے ہیں اگر ماضی میں ہندوستان میں سنجیدہ دعوتی کوششیں کی جاتی تو بعید نہیں آج سارا ہندوستان مسلمان ہوتا۔ جب اکثریت مسلمانوں کی ہوتی تو فسادات اور مسلمانوں پر ظلم و ستم کی کوئی صورت باقی نہ رہتی۔ یہ ہماری دعوتی غفلت اور کوتاہی ہے کہ آج مسلمان ہندوستان میں نہ صرف اقلیت میں ہیں بلکہ اکثریت کا ظلم و ستم برداشت کرنے پر بھی مجبور ہیں۔ انگلستان، امریکہ، جاپان اور ہندوستان کی مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ مولانا وحید الدین خانؒ دعوتی عمل کو کس انداز سے دیکھتے تھے۔ ان کا مؤقف تھا کہ مسلمانوں کا غیر مسلموں سے تعامل کا صرف ایک ہی اصول ہے اور وہ ہے دعوتی تعامل۔ اگر ماضی میں اس دعوتی تعامل کو اختیار کیا جاتا تو انگلستان، امریکہ، جاپان اور ہندوستان ممکن تھا کہ یہ ممالک مسلمان ہوتے۔

## دورِ جدید میں دعوتی تعامل کے امکانات:

پر امن حالات اور غیر مسلموں سے باہمی تعامل دعوت کی اہم ترین حکمت عملی ہے۔ اسلام کی عالمی اشاعت زیادہ تر باہمی تعامل کے ذریعے ہوئی۔ مسلمان تاجر جب اپنے وطن سے نکل کر مختلف ملکوں میں پھیلے تو قدرتی طور پر دوسری قوموں کے ساتھ ان کا تعامل ہونے لگا۔ اس دوران فطری طور پر ایسا ہوا کہ اسلامی تعلیمات زیر بحث آنے لگیں۔ لوگوں کو موقع ملا کہ وہ اسلام اور غیر اسلام کے فرق کو جانیں اور دونوں کے درمیان آزادانہ تقابل کریں۔ اس طرح تعامل بذات خود دعوت عام کا ذریعہ بن گیا۔[21]

مولانا عصر حاضر کے پر امن حالات اور غیر مسلموں سے باہمی تعامل کے مواقع کے متعلق لکھتے ہیں:

> موجودہ زمانہ میں دو ایسی چیزیں انسان کو حاصل ہوئی ہیں جو اس سے پہلے دنیا میں موجود نہ تھیں، تیز رفتار سفر اور تیز رفتار پیغام رسانی۔ ان چیزوں نے انسان کے لیے عالمی نقل و حرکت کو ممکن بنا دیا ہے۔ اس کے ساتھ ایک اور چیز وجود میں آئی ہے جس کو صنعتی انقلاب کہتے ہیں صنعتی انقلاب نے انسان کے لیے معاشی امکانات کو بہت زیادہ بڑھا دیا ہے۔ ان جدید حالات کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ لوگ بہت زیادہ سفر کرنے لگے ہیں۔ سیاحت، تجارت، ملازمت اور دوسرے مقاصد کے تحت لوگ کثرت سے سفر کر رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج دنیا کے ہر حصہ میں مسلمان بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ اس طرح جو مسلمان مختلف ملکوں میں جا کر آباد ہو گئے ہیں یا آتے جاتے رہتے ہیں ان کا ملنا جلنا برابر غیر مسلموں سے ہوتا رہتا ہے۔ باہمی تعامل کے اس عمل کے دوران اسلام کے تعارف

[20] ایضا، ۳۹

[21] وحید الدین خان، **دعوتِ حق**، (نئی دہلی: گڈ ورڈ بکس، ۲۰۱۶)، ۷۲۔

کا کام بھی اپنے آپ جاری رہتا ہے، کبھی بالواسطہ انداز میں اور کبھی براہ راست انداز میں۔[22]

موجودہ حالات میں غیر مسلموں سے تعامل بذات خود دعوت کا ذریعہ ہے، مسلمان جب عام حالات میں غیر مسلموں سے ملتے جلتے ہیں تو مختلف اسباب سے بار بار اسلام زیر بحث آ جاتا ہے۔ اس طرح مسلم اور غیر مسلم کا تعامل اپنے آپ اسلام کے تعارف کا سبب بنتا رہتا ہے۔ اس ضمن میں مولانا ایک واقعہ نقل کرتے ہیں:

کچھ مسلمان نیو یارک کے ائیر پورٹ پر اترے۔ یہ نماز کا وقت تھا۔ انھوں نے ائیر پورٹ پر چادر بچھا کر جماعت کے ساتھ نماز ادا کی۔ ایک امریکی نوجوان کے لیے یہ ایک نیا منظر تھا۔ وہ ان کے پاس کھڑا ہو کر ان کی حرکات و سکنات کو دیکھنے لگا۔ جب وہ لوگ نماز سے فارغ ہوئے تو اس نے پوچھا کیا تم لوگ انگریزی جانتے ہو۔ پھر اس نے پوچھا کہ تم لوگ کیا کر رہے تھے۔ مسلمانوں نے اس کو اپنے پاس بٹھالیا اور نماز کی تفصیلات بتائیں۔ وہ بہت متاثر ہوا اور اسی وقت کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔[23]

غیر مسلموں سے باہمی تعامل کس طرح دعوتی عمل میں مددگار ثابت ہوتا ہے اس کے متعلق مولانا لکھتے ہیں:

"ایک مسلمان اپنے ایک امریکی دوست کو ایک میٹنگ میں لے گیا، وہاں قرآن کی تلاوت ہو رہی تھی۔ یہ ایک عرب قاری کی تلاوت تھی۔ امریکی نوجوان بہت غور سے تلاوت کو سنتا رہا۔ آخر میں اس نے کہا کہ ایسی پرکشش آواز میں نے آج تک نہیں سنی تھی۔ اس نے پوچھا کہ یہ کیا چیز تھی۔ اس کو بتایا گیا کہ یہ قرآن کا ایک حصہ تھا جس کو ٹیپ کی مدد سے سنایا گیا۔ یہ تلاوت گویا اس امریکی نوجوان کے دل میں اسلام کا پہلا بیج تھا۔ اس کے بعد اس کے اندر مزید تجسّس پیدا ہوا۔ اس نے قرآن کا انگریزی ترجمہ اور انگریزی میں دوسری اسلامی کتابوں کو حاصل کر کے ان کو پڑھا اور آخر میں اسلام قبول کر لیا۔[24]

مولانا وحیدالدین خان کہتے ہیں کہ اگرچہ غیر مسلموں سے تعامل کے ذریعہ تبلیغ کا کام پچھلے چودہ سو سال سے برابر جاری رہا مگر موجودہ زمانہ میں ذرائع ابلاغ کے جدید وسائل سے یہ تعامل بہت زیادہ بڑھ گیا ہے اور اس کے نتیجے میں اسلام کے تعارف کے امکانات بھی بہت زیادہ بڑھ گئے ہیں۔ اب اس تعامل کے فوائد بھی سامنے آنا شروع ہو گئے ہیں۔ ہر جگہ مختلف صورتوں میں اسلام کا تعارف ہو رہا ہے۔ اس تعارف کے دوران جگہ جگہ لوگ اسلام قبول کر رہے ہیں۔ جب کسی بہانے کوئی آدمی اسلام کے کسی پہلو سے متعارف ہوتا ہے تو اس کے اندر اسلام کو مزید جانے کا شوق پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ ملاقات اور مطالعہ کے ذریعہ اپنی معلومات کو بڑھاتا ہے۔ پھر انہیں میں سے ایسے لوگ نکلتے ہیں جو اسلام کو اپنا دین بنا لیتے ہیں۔ دعوتی تعامل نہ ہونے کی وجہ سے مولانا شکوہ کرتے بھی دکھائی دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ موجودہ زمانہ میں تعامل کے باوجود اسلام کے تعارف اور دعوت کا کام عملاً بہت کم ہو رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ موجودہ زمانہ کے مسلمانوں میں دعوت کا شعور موجود نہیں۔ دعوتی شعور نہ ہونے کی وجہ سے فی الحال جو کام ہو رہا ہے وہ زیادہ تر بالواسطہ انداز میں ہو رہا ہے۔ مسلم و غیر مسلم کا تعامل ہر حال میں دعوت کا ذریعہ ہونا چاہیے۔ عام حالات

[22] ایضا۔

[23] وحیدالدین خان، **اسلامی دعوت**، (لاہور: دار التذکیر، ۲۰۰۴)، ۵۲۔

[24] ایضا۔

میں یہ عمل بالواسطہ طور پر ہوتا ہے لیکن اگر اہل اسلام کے اندر دعوتی شعور زندہ ہو تو یہ عمل براہ راست طور پر ہونے لگے گا اور پھر اس کی وسعت غیر معمولی حد تک بڑھ جائے گی۔[25]

اسلام کی دعوت ایک ایسا عمل ہے جس کو نہ صرف مخلص مسلمان انجام دیں گے بلکہ اس عمل میں وہ لوگ بھی شریک ہوں گے جن کو اعتقادی اعتبار سے اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ مولانا لکھتے ہیں :

> اس کی ایک مثال موجودہ زمانے میں یہ ہے کہ مختلف اسباب کے تحت اسلام میں اقتصادی قدر (commercial value) پیدا ہو گئی ہے۔ چنانچہ آج بہت بڑے پیمانہ پر سیکولر اور غیر مسلم طبقہ اسلام کے دعوتی عمل میں شریک ہو گیا ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے پبلشنگ ادارے بہت بڑے پیمانہ پر قرآن وحدیث اور اسلامی لٹریچر مختلف زبانوں میں بڑی تعداد میں چھاپ رہے ہیں اور ان کو ساری دنیا میں لوگوں تک پہنچا رہے ہیں۔ مثلاً پنگوین، میکملن، آکسفورڈ اور کیمبرج وغیرہ، جن کی اشاعت کا جال ساری دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ وہ اسلامی کتابیں بین الاقوامی زبانوں میں چھاپ کر تمام ملکوں میں پہنچا رہے ہیں۔[26]

عصر حاضر میں غیر مسلموں سے باہمی تعامل اور اس کے نتیجے میں اسلام کی قبولیت کے جو وسیع مواقع پیدا ہوئے ہیں ان میں سے ایک ابلاغ کا شعبہ ہے۔ مولانا کا مؤقف تھا کہ موجودہ زمانہ میں جدید ذرائع ابلاغ اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں کثرت سے رپورٹس منظر عام پر لا رہے ہیں۔

یہ رپورٹیں اکثر اسلام مخالف ہوتی ہیں مگر اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ میڈیا کو اسلام سے یا مسلمانوں سے کوئی دشمنی ہے بلکہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں میڈیا صرف ایک انڈسٹری ہے اور میڈیا کو بطور ایک صنعت چلانے کے لیے ضروری ہے کہ اس میں تیز و تند اور سنسنی خیز رپورٹیں شائع کی جائیں۔ چنانچہ نہ صرف اسلام بلکہ زندگی کے ہر معاملہ میں وہ اپنے اسی اصول پر عمل کر رہے ہیں۔

دور جدید میں اظہار رائے کی آزادی کو حد درجہ اہمیت دی جاتی ہے۔ لوگ غیر متعصبانہ طور پر معلومات میں اضافہ کے شائق ہو گئے ہیں۔ اس مزاج کی بنا پر اب ایسا ہوتا ہے کہ جب کسی اخبار، میگزین، ٹی وی چینل یا یوٹیوب چینل پر اسلام کے خلاف کوئی بات چھپتی ہے تو لوگ یہ چاہنے لگتے ہیں کہ وہ اس موضوع پر مزید معلومات حاصل کریں۔

وہ چاہتے ہیں کہ اس موضوع پر جو دوسرا نقطہ نظر ہے اس کو اچھی طرح جانیں۔ یہ امکان آج کی دنیا میں وسیع پیمانہ پر پیدا ہوا ہے۔ اسلام کے داعیوں کو تاریخ میں پہلی بار یہ موقع ملا ہے کہ وہ دوسروں کی زبان سے اپنی بات کہلائیں۔ وہ دوسروں کے قائم کردہ میڈیا سے اپنے افکار کی اشاعت کریں۔ وہ اغیار کے وسائل ابلاغ کو اسلامی دعوت کا ذریعہ بنالیں۔[27]

مولانا کہتے ہیں کہ دعوت دین کا کام کسی فاسق و فاجر سے بھی لیا جا سکتا ہے، ماضی میں بھی یہ اصول مختلف پہلوؤں سے اسلام کی تائید کا سبب بنا اور موجودہ زمانہ میں تو یہ امکان بہت زیادہ بڑھ گیا ہے۔ اگر اس امکان کو منظّم طور پر استعمال کیا جائے تو دنیا کی ہر زبان میں اسلام کی تبلیغ ہونے

---

[25] وحید الدین خانؒ، **دعوت الی اللہ** (نیو دہلی: مکتبہ الرسالہ، ۲۰۰۱ء)، ۲۹۔

[26] ایضاً، ۳۳

[27] وحید الدین خان، **دعوتِ حق**، (نئی دہلی: گڈ ورڈ بکس، ۲۰۱٦)، ۷۳۔

لگے۔ اس امکان کو موثر طور پر استعمال کرنے کی شرط صرف یہ ہے کہ اسلام کی حمایت میں جو کچھ لکھا جائے وہ مکمل طور پر غیر مناظرانہ ہو، وہ علمی اسلوب میں ہو نہ کہ الزامی اسلوب میں۔[28]

دور جدید میں سیاحت نے بھی مسلم و غیر مسلم باہمی تعامل اور اس کے نتیجے میں دعوت کے وسیع تر مواقع پیدا کر دیے ہیں۔ ان مواقع نے موجودہ زمانہ میں دعوت کے لیے نئے امکانات کھول دیئے ہیں۔ مسلم و غیر مسلم سیاح پوری دنیا میں گھومتے پھرتے ہیں۔ اس گہما گہمی کے دوران سیاحوں کا مختلف مذاہب اور مکاتب فکر کے افراد کے ساتھ ٹکراؤ ہوتا ہے۔ یہ سیاح بڑی تعداد میں ہر ملک میں پہنچ رہے ہیں۔ کہیں مناظر فطرت کو دیکھنے کے لیے، کہیں مختلف انسانی سماجوں کے مطالعہ کے لیے اور کہیں تاریخی آثار اور تاریخی عمارتوں کو دیکھنے کے لیے۔ سیاحت گویا دعوت کا عالمی میدان ہے جس میں جو چاہے جہاں چاہے دعوتی عمل شروع کر سکتا ہے۔

مولانا کے نزدیک سیاحت کے دوران مسلم و غیر مسلم باہمی تعامل ایک عظیم دعوتی سرگرمی ہے۔ گویا سیاحوں کے روپ میں مدعو خود داعی کے پاس پہنچ رہا ہے۔ پیاسا خود چل کر کنویں کے پاس آگیا ہے۔ اس صورت حال نے دور جدید کے اہل ایمان کو یہ موقع دے دیا ہے کہ وہ خدا کے پیغام کو خود اپنے رہائشی مقامات پر رہتے ہوئے انجام دے سکیں جس کے لیے پہلے انہیں دشوار گزار سفر کا مرحلہ طے کرنا پڑتا تھا۔ مولانا لکھتے ہیں

> "یہ سیاح اپنے گھروں سے نکل کر اہل ایمان کے پاس آرہے ہیں اور بزبان حال یہ کہہ رہے ہیں کہ تمہارے پاس خدا کی طرف سے جو امانت آئی ہوئی ہے وہ امانت ہمیں دو، حق کو اس کے حق دار تک پہنچاؤ۔ اگر تم نے یہ امانت ہمیں نہ سونپی تو ہم خدا کے یہاں تمہارا دامن پکڑ لیں گے اور خدا سے کہیں گے کہ جب انھوں نے ہمیں جنت کا راستہ نہیں دکھایا تو وہ خود بھی جنت میں جانے کے مستحق نہیں۔"[29]

سیاحت کے وجہ سے باہمی تعامل اور اسکے نتیجے میں جو دعوتی امکانات پیدا ہوئے ہیں ان سے فائدہ اٹھانے کے لیے مولانا کہتے ہیں کہ پہلی بات یہ ہے کہ ہر مقام پر کچھ ایسے افراد موجود ہونے چاہیں جو ایک طرف دین کی تعلیمات سے بخوبی واقف ہوں اور دوسری طرف بیرونی مقامات سے آنے والے سیاحوں کی زبان بھی اچھی طرح جانتے ہوں۔ تاکہ ان کے سامنے خود ان کی قابل فہم زبان میں دین حق کی وضاحت کر سکیں۔

یہ بھی ضروری ہے کہ ان سیاحوں کو دینے کے لیے ہر زبان میں موثر قسم کا اسلامی لٹریچر تیار کیا جائے جس میں اسلام کا تعارف مثبت انداز میں کیا گیا ہو اور اس میں وقت کے سوالات کا جواب بھی ہو۔ یہ لٹریچر مکمل طور پر غیر مناظرانہ، غیر قومی اور غیر سیاسی اسلوب میں ہونا چاہیے۔ اس میں فطرت کی زبان میں اسلام کا اظہار ہونا چاہیے۔[30]

اس دعوت کے عمل کو مؤثر بنانے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ان کے ساتھ تالیف قلب کا معاملہ کیا جائے۔ تالیف قلب کا یہ معاملہ انفرادی بھی ہونا چاہیے اور اجتماعی بھی۔ مثلاً مغربی ملکوں سے آنے والے سیاح اگر لباس اور طور طریقہ کے معاملہ میں اسلامی کلچر کے مطابق نہ ہوں تو اس کو گوارہ کیا جائے نہ کہ اس کو موضوع بنا کر انھیں پریشان کیا جائے۔

مولانا وحید الدین خانؒ کا مؤقف تھا کہ دور جدید میں تحقیق کے وسائل عام ہونے کہ وجہ سے لوگوں میں مطالعہ مذاہب کا رجحان بھی بڑھا ہے۔ بے شمار لوگ مذہب کی طرف از سر نو راغب ہو رہے ہیں۔ یہ مظہر اتنا عام ہے کہ اس کو ہر ملک میں اور ہر طبقہ کے لوگوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ مذہب کے مطالعہ کا یہ نیا رجحان کیوں پیدا ہوا ہے اس کی وجہ دراصل غیر مذہبی چیزوں کی طرف سے انسان کی مایوسی ہے۔ آج کا انسان جنگی

---

[28] ایضاً۔

[29] وحید الدین خانؒ، **دعوت اسلام** (نیو دہلی: مکتبہ الرسالہ، ۲۰۰۱)، ۸۷۔

[30] ایضاً، ۱۰۵

نظریات کے تجربوں سے سخت مایوس ہو گیا ہے۔ متشددانہ قومیت، مارکسزم اور نازی ازم کے جارحانہ فلسفوں سے اس کو نہایت تلخ تجربے پیش آئے ہیں۔ نئے ہتھیاروں کی ہلاکت خیزی کو دیکھ کر وہ جنگ سے سخت متوحش ہو گیا ہے۔ وہ ایسے متبادل نظریہ کی تلاش میں ہے جو جنگ کے بغیر انسانیت کی فلاح کا راستہ بتاتا ہو۔

ایسی حالت میں اسلام کو اگر دعوت کی بجائے جنگ وقتال کے نظریہ کے طور پر پیش کیا جائے تو دورِ جدید کے انسان کو اس سے دلچسپی نہ ہو گی۔ آج کا انسان صرف ایسے مذہب میں دلچسپی لے سکتا ہے جس کے پاس انسانیت کی فلاح کے لیے پرامن تدبیر کا نسخہ موجود ہو۔ اس کے برعکس جو مذہب جنگ اور ٹکراؤ میں انسانی مسائل کا حل بتائے وہ آج کے انسان کے لیے قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آج جو لوگ اسلام کی دعوت کے لیے اٹھیں انھیں اس طرح کام کرنا چاہیے کہ دنیا کی نظروں میں وہ مذہب امن کے داعی قرار پائیں نہ کہ مذہب جنگ کے داعی۔

دورِ جدید میں دنیا جنگ سے اتنی زیادہ تنگ ہے کہ وہ کسی بھی حال میں کسی ایسے مذہب یا نظام پر غور کرنے کے لیے تیار نہیں جو تشدد پر بنی ہو۔ آج کی دنیا کا مطلوب مذہب صرف وہ بن سکتا ہے جو جنگ کو ہر حال میں خارج از بحث قرار دے اور صرف پرامن تدابیر کے ذریعہ زندگی کے مسائل کا حل بتائے۔ جدید ذہن کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ مادیت سے اکتا چکا ہے۔ وہ ظاہری رونقوں سے اکتا کر روحانی سکون تلاش کر رہا ہے۔

دورِ جدید میں ان مسائل کی موجودگی میں آج کے انسان کو اسلام کی طرف راغب کرنے کے لیے کارگر تدبیر یہ ہو سکتی ہے کہ اس کے سامنے اسلام کے روحانی پہلو کو موثر انداز میں پیش کیا جائے۔ دورِ جدید میں یہ امکان پیدا ہوا ہے کہ آج کے انسان کو اسلام کی طرف راغب کیا جائے مگر یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ مدعو کو اسلام پھولوں کا ایک گلدستہ معلوم ہو نہ کہ کانٹوں کا ایک مجموعہ۔ وہ جب اسلام کا تعارف پائے تو اسے محسوس ہو کہ وہ اس کے اپنے دل کی آواز ہے۔ یہ عین وہی دین رحمت ہے جس کی تلاش میں وہ مدتوں سے سرگرداں تھا۔[31] قرآن میں داعی کی زبان سے کہا گیا ہے کہ

ولنصبرن علی ما آذیتمونا[32] ہم تمہاری ایذاؤں پر صرف صبر ہی کریں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ داعی کا طریقہ مدعو کی زیادتیوں پر یک طرفہ صبر کرنا ہے۔ یہ صبر اس لیے ہوتا ہے تاکہ داعی اور مدعو کے درمیان باہمی اعتماد کی فضا باقی رہے، وہ کسی حال میں بگڑنے نہ پائے۔ ایسی حالت میں اہل اسلام کو یک طرفہ صبر کر کے ہر حال میں ٹکراؤ کی روش سے باز رہنا ہے تاکہ اسلام کے مذہب امن ہونے کی حیثیت مدعو کی نظر میں مجروح نہ ہونے پائے۔

دورِ جدید کا مدعو انسان باہمی تعامل کی نتیجے میں خود چل کر داعی کے پاس آ چکا ہے۔ یہ انسان اسلام کے دروازہ پر کھڑا ہے، اپنی حقیقت کے اعتبار سے وہ صرف اسلام کا طالب ہے۔ ایسے حالات میں دعوت کا عمل اگر درست طور پر کیا جائے تو بیشتر انسان اسلام کو اپنے دل کی آواز پائیں گے اور دوبارہ جدید تاریخ میں وہ منظر سامنے آئے گا جس کی تصویر کشی قرآن میں ان الفاظ میں کی گئی ہے: اذا جاء نصر اللہ والفتح ورأیت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا[33]

## خلاصہ

مولانا کے فکری کام میں دعوت کو خاص مقام حاصل ہے اور اسلامی روایت کے برعکس مولانا کا نظریہ تھا کہ صرف دعوت ہی مسلمانوں کے تمام مسائل کا حل ہے۔ مولانا وحید الدین خانؒ کا مؤقف تھا کہ غیر مسلموں سے تعامل ہو یا کوئی اور مشکل، مسلمانوں کے تمام مسائل جو دنیا کی زندگی میں انہیں پیش آ سکتے ہیں ان سب کا مشترک حل دعوت الی اللہ ہے۔ غیر مسلموں سے تعامل کی بنیاد دعوت ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی

[31] وحید الدین خان، **دعوتِ حق**، (نئی دہلی: گڈورڈ بکس، ۲۰۱۶)، ۱۵۸۔

[32] القرآن ۱۴: ۱۲

[33] القرآن ۱۱۰: ۱

اس بنیادی اصول کا بہترین نمونہ ہے۔آپ ﷺ نے مختلف پیش آمدہ مسائل کو براہ راست نشانہ بنانے کے بجائے اپنی ساری توجہ دعوت کے کام پر لگادی۔اسی سے اللہ تعالی نے دوسرے تمام مسائل کے حل کی راہیں نکال دیں۔

اسلامی تاریخ کے بعد کے ادوار میں مسلمانوں کو جو مسائل پیش آئے اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ ان کے اندر سے دعوتی روح ختم ہو گئی تھی۔ وہ "دینی جدوجہد" کے نام پر غیر متعلق کام کرنے لگ گئے تھےاورانہوں نے غیر مسلموں سے دعوتی تعامل کی بجائے ٹکرانے اور جنگ کا تعامل اختیار کر لیا تھا۔ وہ تالیف قلب کو دعوتی حکمت عملی کااہم جز سمجھتے تھے اور ان کا مؤقف تھا کہ دور جدید میں تالیف قلب کے اصول کو اپنا کر غیر مسلموں کو دائرہ اسلام میں لایا جا سکتا ہے۔

مولانا کہتے ہیں کہ دور جدید کا انسان جنگی نظریات اورپر تشدد تجربات سے سخت مایوس ہو چکاہے۔ متشددانہ قومیت، اشتراکیت اور سیکولر فلسفے سے اس کو نہایت تلخ تجربے پیش آئے ہیں۔ نئے ہتھیاروں کی ہلاکت خیزی کو دیکھ کر وہ جنگ سے سخت متوحش ہو گیا ہے۔ وہ ایسے متبادل نظریہ کی تلاش میں ہے جو جنگ کے بغیر انسانیت کی فلاح کا راستہ بتاتا ہواور یہ نظریہ صرف اسلام ہی پیش کر سکتا ہے۔ دور جدید کا انسان اسلام کے دروازہ پر کھڑا ہے، اپنی حقیقت کے اعتبار سے وہ صرف اسلام کا طالب ہے۔ایسے حالات میں دعوت کا عمل اگر درست طور پر کیا جائے تو بیشتر انسان اسلام کو اپنے دل کی آواز پائیں گے۔

## کتابیات

احمد بن حنبل، **مسند احمد بن حنبل** (قاہرہ: دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۳۳ھ)، ۱۵۹:۱۔
اسماعیل بن عمر ابن کثیر، **البدایۃ والنہایۃ** (کراچی: مکتبہ البشریٰ، ۲۰۰۹)، ۱۲۳:۲۔
القرآن، ۳: ۱۱۰
القرآن، ۲: ۱۴۳
القرآن، ۱۶: ۱۲۵
القرآن ۳: ۱۶۶
القرآن ۱۴: ۱۲
القرآن ۱۱۰: ۱
محمود ابوریہ، **جمال الدین الافغانی** (قاہرہ: دار الکتب العلمیہ، ۲۰۰۲ء)، ۵۰۔
وحیدالدین خان، **اسلامی دعوت** (نیو دہلی: مکتبہ الرسالہ، ۲۰۰۴ء)، ۳۶
وحیدالدین خان، **دعوت حق** (نیو دہلی: مکتبہ الرسالہ، ۲۰۰۱)، ۱۸۲۔
وحیدالدین خانؒ، **اسلام ایک عظیم جدوجہد**، (نیو دہلی: مکتبہ الرسالہ، ۲۰۰۸ء)، ۸۶۔
وحیدالدین خانؒ، **تاریخ کا سبق** (نیو دہلی: مکتبہ الرسالہ، ۲۰۱۶ء)، ۵۶۔
وحیدالدین خان، **اسلامی دعوت**، (لاہور: دار التذکیر، ۲۰۰۴)، ۳۷۔
وحیدالدین خانؒ، **فکر اسلامی** (نیو دہلی: مکتبہ الرسالہ، ۱۹۹۷ء)، ۲۴۔
وحیدالدین خان، **اسلامی دعوت**، (لاہور: دار التذکیر، ۲۰۰۴)، ۱۳۸۔
وحیدالدین خان، **دعوتِ حق**، (نئی دہلی: گڈ ورڈ بکس، ۲۰۱۶)، ۲۷۔
وحیدالدین خان، **اسلامی دعوت**، (لاہور: دار التذکیر، ۲۰۰۴)، ۵۲۔
وحیدالدین خانؒ، **دعوت اسلام** (نیو دہلی: مکتبہ الرسالہ، ۲۰۰۱)، ۸۷۔
وحیدالدین خان، **دعوتِ حق**، (نئی دہلی: گڈ ورڈ بکس، ۲۰۱۶)، ۱۵۸۔